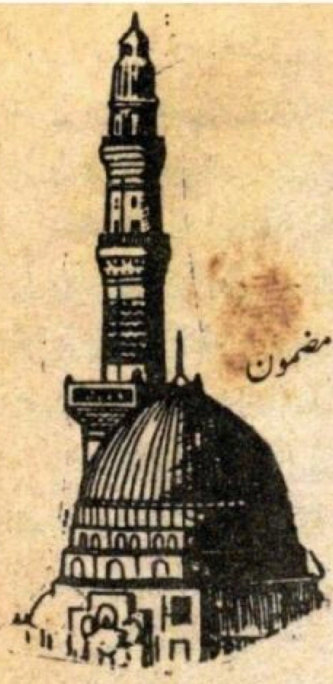
آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے
والدین کریمین

محمد خالد جذبی



آقا کریمؐ کے والدین کریمینؓ

ربیع الاول حضورؐ کی ولادت کا مہینہ ہے۔ اس ماہ ہم محمد خالد جذبی کا ترتیب دیا ایک خصوصی مضمون آپ کی نذر کر رہے ہیں جس کا مطالعہ آپ کے لئے فیوض و برکات کا باعث ہو گا

☆ محمد خالد جذبی

نور کا درخت

عرب کا شہر مکہ، نیند کی آغوش میں تھا مگر حضرت عبدالمطلبؓ کی باطنی آنکھ بیدار تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ سامنے ایک درخت کھڑا ہے جس کی چوٹی آسمان سے باتیں کر رہی ہے، اس کی شاخیں ایک طرف مشرق کے انتہائی کناروں کو اور دوسری طرف مغرب کے آخری کناروں کو چھو رہی ہیں۔ اس درخت میں سے ایسا نور پھوٹ رہا ہے کہ اس سے پہلے کبھی مشاہدے میں نہیں آیا۔ اس نور کا یہ حال تھا کہ آفتاب کا نور اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ نور آفتاب کے نور سے ستر گنا زیادہ تھا۔ حضرت عبدالمطلبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا، عرب و عجم اس کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ درخت اپنی عظمت، بلندی اور نور میں لحمہ بہ لحمہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک لمحے کے لئے وہ درخت نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور دوسرے لمحے پھر ظاہر ہو جاتا ہے--- حضرت عبدالمطلبؓ بیان کرتے ہیں، پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ قریش کا ایک گروہ اس درخت کی شاخوں سے لٹکا ہوا ہے اور قریش کا ایک اور گروہ اس درخت کو کاٹنے کے لئے اس کی طرف بڑھتا ہے۔ جیسے ہی قریش کا یہ دوسرا گروہ اس درخت کے قریب آیا تو ایک نہایت وجیہہ جوان رعنا نے اس گروہ کو پکڑ لیا۔ یہ جوان اتنا خوبصورت تھا کہ ایسا دلکش چہرہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے جسم سے عجیب خوشبو نکل رہی تھی۔ یہ خوبرو اور وجیہہ نوجوان قریش کے اس دوسرے گروہ کی پیٹھوں پر شدید ضربیں لگا کر ان کی ہڈیاں توڑ رہا تھا اور ان کی آنکھیں نکال رہا تھا---

حضرت عبدالمطلبؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ اس درخت میں سے کچھ حاصل کرلوں لیکن مجھے اس میں سے کچھ نہیں مل سکا، تب میں نے کسی سے پوچھا کہ اس درخت میں سے کس کا حصہ ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ اس میں سے صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اسے پکڑے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ لٹک رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے، اے عبدالمطلب! تم سے پہلے اس درخت کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت میں سخت خوفزدہ اور مضطرب تھا۔

حضرت عبدالمطلبؓ نے بیدار ہونے کے بعد اپنا یہ خواب قریش کی ایک بزرگ خاتون کو سنایا جو خوابوں کی تعبیر دیا کرتی

تھیں۔ حضرت عبد المطلبؒ کا خواب سن کر ان خاتون کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر انہوں نے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے حضرت عبد المطلبؒ سے کہا کہ اگر آپ کا یہ خواب سچا ہے تو آپ کے صلب سے ایک ایسا شخص ضرور پیدا ہو گا جس کا مشرق سے مغرب تک تسلط ہو گا اور ایک دنیا اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے گی۔

حضرت عبد المطلبؒ اپنے فرزند حضرت ابو طالبؒ کی الوالعزمی، شجاعت و مردانگی اور نیکی و سخاوت کی صفات کو دیکھ کر ان سے کہا کرتے تھے کہ میرے صلب سے پیدا ہونے والا شاید تو ہی وہ مرد ہو جسے میں نے اس درخت کی شکل میں دیکھا ہے۔ جس کا مشرق سے مغرب تک تسلط تھا۔ ("خصائص الکبریٰ۔" مولفہ الشیخ الامام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعیؒ۔ ص ۳۹۔ الطبعۃ الاولیٰ۔ دائرۃ المعارف۔ حیدر آباد دکن۔ (۱۳۱۹ھ)

حضرت عبد المطلبؒ نے اس خواب کی تعبیر اپنے ذوق کے مطابق کی تھی کہ ان کی صلب سے پیدا ہونے والے مرد رشید شاید حضرت ابو طالبؒ ہوں لیکن اس مرد مقدس کو تو سیدہ آمنہ کے بطن مبارک سے پیدا ہونا تھا جنہیں حضرت عبد المطلبؒ کے سب سے چھوٹے فرزند سید عبد اللہؒ کی زوجیت میں آنا تھا۔۔۔ اب ہم حضرت عبد المطلبؒ کے خواب کی حقیقت کی طرف آتے ہیں۔ حضرت عبد المطلبؒ بلاشبہ اس دور کی ایک بزرگ شخصیت تھے جن کا سب سے بڑا اعزاز یہ تھا کہ انہوں نے صدیوں سے گم شدہ چشمہ زمزم دریافت کیا تھا اس لئے ایسی بزرگ شخصیت کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ ان کا یہ خواب لفظ بہ لفظ پورا ہوا اور آج سارا عالم اس کی سچائی پر گواہ ہے۔

حضرت عبد المطلبؒ نے عالم رویا میں جو عظیم نورانی درخت دیکھا تھا وہ درخت دراصل اسلام کا شجر بے خزاں ہے۔ اس درخت کی شاخوں کا ایک طرف مشرق اور دوسری طرف مغرب کے آخری کناروں تک پہنچ جانا اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ اسلام کی اشاعت اس وسیع پیمانے پر ہوگی کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی فیض رسانی سے محروم نہ رہے گی۔ اس درخت کی چوٹی کا آسمان تک بلند ہونا بھی ایک لطیف استعارہ تھا اور ہمارے ذوق کے مطابق اس سے بانی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مراتب عالیہ کی بلندی مراد تھی جس کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح کیا گیا ہے کہ ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا۔ گویا زمین سے آسمان تک آپؐ کا ذکر ہوتا رہے گا۔ زمین پر کروڑوں، اربوں انسان اور آسمان پر ان گنت ملائکہ آپؐ پر درود و سلام بھیجتے رہیں گے۔۔۔ حضرت عبد المطلبؒ نے دیکھا تھا کہ اس مبارک اور نورانی درخت کو قریش کے ایک گروہ نے پکڑ رکھا ہے اور وہ اس کی شاخوں سے لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو رسول اقدسؐ پر ایمان لے آئے تھے اور اس ایمان پر آخر تک ثابت قدم رہے۔ قریش کا دوسرا گروہ اس مبارک درخت کو کاٹنا چاہتا تھا، یہ وہ لوگ تھے جو شجر اسلام کی جڑ پر تبر چلا کر اسلام کو (نعوذ باللہ) نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے۔ وہ جوان رعنا جو اپنے ظاہری و باطنی حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، سیدہ آمنہؒ کے فرزند گرامی تھے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جن کی ضربات شدیدہ نے مشرکین مکہ کی کمر کے منکے تک توڑ کر رکھ دیئے اور انہیں ہمیشہ کے لئے خائب و خاسر کر دیا۔ پھر حضرت عبد المطلبؒ نے دیکھا کہ وہ درخت اتنا نورانی ہے کہ آفتاب کا نور اس کے سامنے ماند تھا اور اس کا نور آفتاب کے نور سے ستر گنا زیادہ تھا تو اس میں کیا شک ہے کہ اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج کے نور سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ آفتاب تو غروب بھی ہو جاتا ہے اور اس کے نور سے دنیا کا ایک حصہ محروم بھی ہو جاتا ہے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نور کبھی غروب نہیں ہوتا اور دنیا کے ہر حصے میں حضورؐ کے نام لیوا اپنے وجود سے اس نور کی موجودگی کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ ہر دور میں ایسے مقدس وجود پیدا ہوتے رہتے ہیں جو نور اسلام کے سامنے آجانے والی دھند اور تاریکی کے پردے چاک کر کے اس نور کو نمایاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ شرف اسلام کے سوا اور کسی مذہب کو حاصل نہیں جس میں اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے والے اور اس کے تخاطب سے مشرف ہونے والے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اور اسلام کے نور کو قائم و دائم رکھیں گے۔۔۔ پھر حضرت عبد المطلبؒ نے دیکھا کہ اس جوانؐ رعنا کے جسم سے عجیب خوشبو آرہی ہے، ایسی خوشبو کہ اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی گئی۔ یہ خوشبو فرزند آمنہ (رسول اقدسؐ) پر نازل ہونے والا وہ مقدس کلام الٰہی ہے جس نے اس پر ایمان لانے والوں کے انفاس کو معطر کر دیا اور ایک غلیظ معاشرے میں پرورش پانے والے اور اس گندی فضا میں سانس لینے والے نہ صرف خود معطر ہو گئے بلکہ جو ان کے قریب سے ہو کر گزر گیا، یہ روحانی خوشبو اس کے وجود میں بھی بس

گئی اور اس نے اپنی اطراف کو بھی معطر کر دیا۔ یہ خوشبو ہر طرف پھیل گئی اور قیامت تک پھیلتی اور ایک عالم کو معطر کرتی رہے گی۔۔۔ پھر حضرت عبدالمطلبؓ نے دیکھا کہ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس شجر عظیم کو پکڑنا چاہا تاکہ اس میں سے وہ بھی کچھ حاصل کر لیں مگر ان کا ہاتھ اس درخت تک نہیں پہنچ سکا۔ یہ حصہ خواب بھی ہو بہو پورا ہو گیا اور حضرت عبدالمطلبؓ اس درخت کے بار آور ہونے یعنی ظہور اسلام سے قبل ہی قریباً" سو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔۔۔ پھر حضرت عبدالمطلبؓ نے خیال کیا کہ قریش کی بزرگ خاتون کی دی ہوئی تعبیر کی رو سے ان کے صلب سے پیدا ہونے والا فرزند شاید ان کا بیٹا ابوطالبؓ ہو۔ ان کا یہ خیال بھی اس حد تک درست ثابت ہوا کہ حضرت ابوطالبؓ نے اس درخت کی آبیاری کرنے والے مقدس وجودؐ کی حفاظت کی خاطر اپنی جان، مال اور آبرو سب کچھ قربان کر دیا مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی سرپرستی سے دست برداری گوارا نہ کی بلکہ آپؐ کے ساتھ ایک گھاٹی میں محصور ہو کر مسلسل تین سال تک بھوک پیاس کی صعوبتیں اور ذہنی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ جب قریش نے ان سے کہا کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی سرپرستی سے دست بردار ہو جاؤ یا مکہ کی سرداری سے معزولی کے لئے تیار ہو جاؤ تو حضرت ابوطالبؓ نے مکہ کی سرداری قربان کر دی مگر سیدہ آمنہؓ کے مقدس بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سرپرستی قربان نہ کی۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ جب رسولؐ اقدس کا ظہور ہوا تو حضرت ابوطالبؓ کہا کرتے تھے کہ میرے باپ (حضرت عبدالمطلبؓ) نے عالم رویا میں جو مقدس درخت دیکھا ہے، خدا کی قسم! وہ درخت محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہیں۔ ("خصائص الکبریٰ" مولفہ امام جلال الدین عبدالرحمن ابی بکر السیوطیؒ۔ جلد اول۔ ص ۹۹۔ مرتبہ الدکتور محمد خلیل ہراس۔ طبعتہ المدنی، رمضان ۱۳۸۶ھ) اس طرح گویا حضرت ابوطالبؓ نے ایک رنگ میں رسول اقدسؐ کی تصدیق کر دی۔

⁂

وہ وقت اب قریب آ رہا تھا جب حضرت عبدالمطلبؓ کے خواب کو حقیقت میں تبدیل ہونا تھا، دوسرے الفاظ میں اس مرد خوش خصال و خوش جمال کی حفاظت کے لئے فضا تیار ہو رہی تھی جسے سیدہ آمنہؓ کے سر کا تاج بننا تھا، یعنی حضرت عبداللہؓ۔۔۔ مورخ ابن اسحاقؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلبؓ نے نذر مانی تھی کہ اگر انہوں نے چشمہ زمزم دریافت کر لیا تو وہ بطور شکرانہ اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹا خانہ کعبہ کے پاس (اللہ تعالیٰ کے لئے) قربان کر دیں گے۔ شاید یہ سنت ابراہیمی کی پیروی کا جذبہ تھا۔ دوسرا بڑا مورخ کہتا ہے کہ حضرت عبدالمطلبؓ کی نذر یوں تھی کہ اگر انہوں نے چشمہ زمزم دریافت کر لیا اور ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہو گئے اور دسوں جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو ان میں سے ایک کو کعبتہ اللہ کے پاس لے کر اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کر دیں گے۔ ("البدایہ و النہایہ" مولفہ ابو الفدا الحافظ ابن کثیر۔ الجزا الثانی۔ ص ۱۸۴۴ الطبعتہ الاولیٰ۔ مکتبہ المعارف۔ بیروت ۱۹۶۶ء) مورخ ابن سعد نے حضرت عبدالمطلبؓ کی نذر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے نہایت معقول بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عبدالمطلبؓ نے چشمہ زمزم دریافت کرنے کی غرض سے اپنی کوشش کا آغاز کیا تو انہوں نے محسوس فرمایا کہ ان کے پاس ایسے یا اتنے افراد نہیں ہیں جو اس مقدس کام میں ان کی اعانت کریں سوائے ان کے بیٹے کے، اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور نذر مانی کہ اگر ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہو گئے اور وہ سب جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو ان میں سے ایک بیٹا وہ خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔۔۔ یہ رائے تو مورخ ابن سعد کی ہے لیکن ہمارا خیال اس سے مختلف ہے۔ جب قریش مکہ نے حضرت عبدالمطلبؓ سے کہا تھا کہ اس نیک کام یعنی چشمہ زمزم کی دریافت میں ہمیں بھی حصہ لینے کا موقع دیجئے اور ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ آپ کے پاس سوائے اس ایک بیٹے کے اور کون ہے جبکہ ہم بڑے کنبوں اور اولادوں والے ہیں تو حضرت عبدالمطلبؓ کے دل پر چوٹ لگی تھی، ایک روایت اور بھی ملتی ہے جس کی رو سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں فریاد کی تھی کہ یا اللہ! قریش مجھے کم اولادی کا طعنہ دیتے ہیں، پس یہ وجہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ نذر مانی تھی کہ اگر تو نے مجھے دس بیٹے عطا فرما دیئے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو ان میں سے ایک بیٹا میں تیرے لئے قربان کر دوں گا۔

مورخ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبدالمطلبؓ کے ہاں دس بیٹے پیدا ہو گئے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو انہیں اپنی نذر پوری کرنے کا خیال آیا چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے اپنی نذر کا ذکر کیا۔ شاید جناب عبدالمطلبؓ کا خیال ہو کہ

معلوم نہیں، ان کے بیٹے ان کی نذر کا خیال سن کر اسے پورا کرنے کے لئے تیار ہوں گے یا نہیں، مگر ان کے دسوں بیٹوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابا جان! ہم حاضر ہیں، آپ جس طرح مناسب سمجھیں، کریں۔ حضرت عبد المطلبؓ نے بیٹوں کو تیار پا کر فرمایا کہ تم سب ایک ایک تیر لے کر اس پر اپنا اپنا نام لکھو (یا لکھواؤ) اور پھر یہ سارے تیر میرے پاس لے آؤ تاکہ قرعہ ڈالا جا سکے۔ اس کے بعد حضرت عبد المطلبؓ دسوں بیٹوں کو لے کر خانہ کعبہ پہنچے اور قرعہ انداز کو تیر دے کر کہا کہ وہ ان کے بیٹوں پر قرعہ ڈالے۔ قرعہ انداز قرعہ ڈالنے میں مصروف ہو گیا اور حضرت عبد المطلبؓ خانہ کعبہ کے اندر کھڑے ہو کر اپنے رب کریم کے حضور عاجزانہ دعا میں منہمک ہو گئے۔ مورخ ابن اہشام بیان کرتے ہیں کہ قرعہ اندازی کے بعد حضرت عبد المطلبؓ کے جس بیٹے کا نام قربانی کے لئے نکلا وہ ان کے سب سے چھوٹے فرزند سید عبد اللہؓ تھے--- سید عبد اللہؓ سیدہ آمنہ کا سہاگ! یہ دیکھ کر حضرت عبد المطلبؓ نے سید عبد اللہؓ کا ہاتھ پکڑا، دوسرے ہاتھ میں چھری لی اور بیٹے کو خانہ کعبہ کے سامنے والے میدان میں لے چلے جہاں مکہ کے لوگ قربانیاں کیا کرتے تھے۔ جب سرداران قریش کو معلوم ہوا کہ حضرت عبد المطلبؓ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے جا رہے ہیں تو وہ ان کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے کہ اے سردار! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟--- حضرت عبد المطلبؓ نے جواب دیا کہ میں اپنی نذر پوری کرنے جا رہا ہوں۔ سرداران قریش بولے کہ ہم آپ کو ہرگز ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ اگر آپ نے یہ روایت ڈال دی تو دوسرے لوگ بھی اپنے بیٹوں کو ذبح کرنا شروع کر دیں گے، اس طرح تو عربوں کی بقائے نسل ہی خطرے میں پڑ جائے گی۔ جب سید عبد اللہؓ کی بہنوں کو اپنے والد کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے آہ و فغاں شروع کر دی۔ اسی طرح سید عبد اللہؓ کے ماموں مغیرہ بن عبد اللہ بن مخزوم نے بھی حضرت عبد المطلبؓ کے اس ارادے کی سختی سے مخالفت کی اور کہا کہ اے سردار! ہم آپ کو ہرگز یہ کام نہیں کرنے دیں گے۔ آپ اس کی بجائے سید عبد اللہؓ کا فدیہ دے دیں۔ اس کے فدیہ پر جتنا بھی مال خرچ ہو گا وہ ہم برداشت کریں گے۔ ("السیرۃ النبویہ" ابن ہشام۔ ص ۱۵۳)--- اب سوال یہ اٹھا کہ فدیہ (دیت) کی رقم کتنی ہو اور اس کے تعین کا طریقہ کار کیا ہو؟ اس کا حل یہ تجویز کیا گیا کہ پہلے دس اونٹوں کا قرعہ ڈالا جائے۔ اگر قرعہ اندازی کے نتیجے میں قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے تو یہ دس اونٹ ذبح کر دیے جائیں اور سید عبد اللہؓ کی جان بخشی کر دی جائے لیکن اگر قرعہ سید عبد اللہؓ کے نام نکلے تو دوبارہ قرعہ اندازی کی جائے اور اونٹوں کی تعداد میں دس کا اور اضافہ کر دیا جائے۔ یہ عمل اسی طرح جاری رہے یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ جائے۔ (البدایہ والنہایہ۔ ص ۲۴۸۔ علامہ ابن کثیرؒ)--- علامہ ابن کثیرؒ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرعہ اندازی اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام نہ نکل آئے۔ اس کے بعد اکابر قریش حضرت عبد المطلبؓ اور ان کے بیٹوں کو لے کر خانہ کعبہ گئے اور قرعہ اندازی شروع ہوئی۔ پہلی بار دس اونٹوں کا قرعہ ڈالا گیا اور اس کے ساتھ سید عبد اللہ کے نام کا بھی۔ یہ قرعہ اونٹوں کی بجائے سید عبد اللہؓ کے نام نکلا۔ پھر بیس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ اس بار پھر قرعہ سید عبد اللہؓ کے نام نکلا۔ پھر دس اونٹوں کی تعداد اور بڑھا دی گئی مگر ہر بار قرعہ سید عبد اللہؓ ہی کے نام نکلتا رہا یہاں تک کہ یہ تعداد سو اونٹوں تک پہنچ گئی۔ اب کی بار قرعہ سید عبد اللہؓ کی بجائے اونٹوں کے نام نکلا اور سرداران قریش کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے، سب بے ساختہ پکار اٹھے کہ ہمارا رب ہمارے فدیہ سے راضی ہو گیا۔ ("السیرۃ النبویہ" ص۔ ۱۵۵۔ ابن ہشام)--- کوئی اور شخص ہوتا تو قرعہ اندازی کا یہ نتیجہ دیکھ کر نعرہ مسرت بلند کرتا کہ چلو، جان چھوٹی مگر یہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے۔ وہ عبد المطلبؓ تھے جن کے صلب سے دنیا کی سب سے بڑی ہستی اور سب سے عظیم پیغمبر پیدا ہونے والے تھے، اس لئے وہ اس قرعہ اندازی سے مطمئن نہ ہوئے۔ حضرت عبد المطلبؓ اپنے رب کی رضا معلوم کرنا چاہتے تھے کہ واقعی وہ ان سے اور ان کے اس فعل سے راضی ہے؟ انہیں اپنے بیٹے کی زندگی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی عزیز تھی چنانچہ انہوں نے کہا کہ ایک بار پھر قرعہ ڈالو، قرعہ ڈالا گیا سو اونٹوں اور سید عبد اللہؓ دونوں پر، مگر قرعہ پھر سید عبد اللہؓ کی بجائے اونٹوں پر نکلا۔ سید عبد المطلبؓ اب بھی مطمئن نہ ہوئے، کہنے لگے کہ پھر قرعہ ڈالو۔ تیسری بار پھر قرعہ ڈالا گیا۔ اس بار بھی سید عبد اللہؓ کی بجائے قرعہ اونٹوں پر نکلا تب جناب عبد المطلبؓ کو یقین ہو گیا کہ ان کا یہ فعل یا ان کی یہ نذر بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گئی چنانچہ انہوں نے سو اونٹ ذبح کروائے اور اعلان عام کر دیا کہ جو چاہے، ان کا گوشت لے جائے۔ انسان کھائیں، خواہ حیوان کہ یہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کی طرف سے دعوت عام تھی اور اس رب کریم کے نام پر تھی جو انسانوں اور حیوانوں سب کا رب ہے۔ کہتے ہیں کہ

یہ گوشت انسانوں کی طرح گوشت خور حیوانوں اور پرندوں نے بھی کھایا اور کئی دن تک کھاتے رہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ کی تاریخ میں جس شخص نے سب سے پہلے دیت کے طور پر سو اونٹ ذبح کرنے کی سنت جاری کی وہ حضرت عبدالمطلبؓ ہیں۔ یہ سنت قریش بلکہ سارے عرب میں جاری رہی اور ان کے بیٹے کے عظیم فرزند یعنی رسول اقدس صلی اللہ د آلہ وسلم نے بھی اس سنت کو جاری رکھا۔ اس طرح سید عبداللہؓ ذبح ہونے سے بچ گئے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جس مرد سعیدؓ کو سیدہ آمنہ کے لئے منتخب فرما چکا تھا وہ ان کے کاشانے کی زینت بنت سے پہلے ہی رخصت ہو جاتا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ سید عبداللہؓ محفوظ رہے اور سیدہ آمنہ ان کے کاشانے کی زینت بنیں' اسی تعلق کے نتیجے میں حضرت عبدالمطلبؓ کا خواب پورا ہوا۔۔۔ نور کے درخت کا خواب !

سید عبداللہؓ

سید عبداللہؓ جنہیں سیدہ آمنہؓ کا رفیق حیات منتخب ہونا تھا' حضرت عبدالمطلبؓ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔ سید عبداللہ ۵۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے خوبصورت اور بے مثل جوان رعنا تھے۔ مکہ کی بعض حسین دوشیزائیں ان کی محبت میں اسیر تھیں' انہیں بڑے بڑے لالچ دے کر اپنی طرف راغب کرتی تھیں مگر سید عبداللہؓ' حضرت یوسفؑ کی طرح ان میں سے کسی کی زلف محبت میں اسیر نہیں ہوئے اور اپنی جوانی کو ہمیشہ بے داغ رکھا۔ عجیب بات ہے کہ جس طرح عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کی قمیص کا دامن پکڑ کر ان سے ایک ناپسندیدہ فعل کرانا چاہا تھا مگر آپؑ نے اس کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا تھا' بالکل اسی طرح مکہ کی ایک بہت ہی حسین دوشیزہ نے سید عبداللہؓ کا دامن پکڑ کر انہیں دعوت گناہ دی۔۔۔ اس نازنین کا نام **قتیلہ** تھا مگر جناب عبداللہؓ نے اس کے ہاتھ سے اپنا دامن چھڑا لیا۔ (طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد اول۔ ص ۹۵)۔۔۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ وہ جس راستے سے گزرتے تھے' عورتیں ان کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں چنانچہ ایک اور عورت کا واقعہ تاریخ میں درج ہے۔ اس کا نام فاطمہ بنت مر تھا اور یہ قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھی' بلا کی حسین اور نوخیز تھی' اس کے ساتھ ساتھ بہت پڑھی لکھی عورت تھی۔ ایک روز سید عبداللہؓ اس کے مکان کے قریب سے گزر رہے تھے کہ وہ ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ خانہ کعبہ کے پاس پیش آیا تھا۔ اس نے سید عبداللہؓ کو مخاطب کیا اور کہنے لگی کہ اگر تم میرے پاس آؤ' تو میں تمہیں سو اونٹ دوں گی۔ سید عبداللہؓ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر شعر پڑھے جن کا مطلب تھا۔

"مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ حرام فعل کا ارتکاب کروں۔ اس کی بجائے مجھے موت کو گلے لگانا منظور ہے جبکہ حلال کی سبیل نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ پس وہ بات میرے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے جس کی طرف تو مجھے دعوت دیتی ہے۔ یاد رکھ 'کریم النفس آدمی اپنی آبرو اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔" ("السیرۃ **النبویہ**" للامام ابی الفدا اسماعیل بن کثیر جلد اول۔ ص ۱۷۸ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۴ء)

یہ کون سا دین تھا جس کی حفاظت سید عبداللہؓ کے نزدیک اتنی ضروری تھی کہ اس کی خاطر موت کو گلے سے لگایا جا سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ وہ دین' سوائے دین ابراہیمی کے اور کون سا ہو سکتا تھا کیونکہ انہیں اور ان کے عالی مرتبت والد گرامی حضرت عبدالمطلبؓ کو یہی دین ورثے میں ملا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید عبداللہؓ ایک دیندار انسان تھے۔ تقویٰ و پرہیزگاری اور غیرت و حمیت کا پیکر۔۔۔ ان کے مندرجہ بالا اشعار کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ حضرت عبدالمطلبؓ کے اس فرشتہ خصلت بیٹے اور سیدہ آمنہؓ کے شوہر کا خمیر کس پاکیزہ مٹی سے اٹھا تھا۔ پچیس سال کا ایک وجیہہ اور خوبرو جوان جس کے مردانہ حسن و رعنائی کے مکہ کی نوخیز دوشیزاؤں میں چرچے تھے' اسے ایک حسین اور نوخیز دوشیزہ دعوت گناہ دیتی ہے اور سو اونٹ بھی پیش کرتی ہے مگر وہ اس پیش کش کو ٹھکرا دیتا ہے۔ یہ واقعہ بھی اس معاشرے میں پیش آتا ہے جہاں زنا اور شراب نہ صرف یہ کہ معیوب افعال نہیں تھے بلکہ تہذیب کا حصہ تھے۔ خدا اور اس کا خوف اور دین سے محبت' یہ سب ایسے الفاظ تھے جو اپنے معنی کھو چکے تھے مگر سید

عبداللہؓ اس معصیت زدہ اور بے لگام معاشرے میں رہتے ہوئے نہ صرف خود کو بچاتے ہیں بلکہ دعوت گناہ دینے والی اس قبالہ ء عرب نازنیں کو تلقین و تبلیغ بھی کرتے ہیں جس کے حسن و جمال کے ہر طرف چرچے تھے۔ سید عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں حرام فعل کا ارتکاب نہیں کر سکتا' اس کے مقابلے میں مجھے موت سے ہمکنار ہونا منظور ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کریم النفس آدمی پر لازم ہے کہ وہ ہر حال میں اپنی آبرو اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔--- سید عبداللہؓ اس عبدالمطلبؓ کے فرزند تھے جو بڑے پائے کے شاعر تھے۔ اپنے نامور والد گرامی کا یہ کمال بھی انہیں ورثے میں ملا تھا۔ وہ بہت خوش گو شاعر تھے اور فی البدیہہ شعر کہنے میں کمال رکھتے تھے۔ جب عرب کی ایک خوش جمال نازنیں نے انہیں دعوت گناہ دی تو انہوں نے اس دعوت کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے جو شعر کہے وہ اپنی بلاغت' معنویت' حسن بیان اور پاکیزگی خیال کے اعتبار سے ادبیات عالیہ میں شمار کرنے کے لائق ہیں۔

سید عبداللہؓ بہت سیر چشم اور فیاض واقع ہوئے تھے۔ وہ دل کے بہت رحیم تھے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی شخص کے اخلاق و کردار کی سب سے معتبر شہادت وہ ہوتی ہے جو اس کی شریک حیات کی زبان سے ادا ہوتی ہے کہ وہ اس کی دن رات کی رفیق' ہم دم و ہمراز اور اس کی پوری طرح مزاج شناس ہوتی ہے چنانچہ سید عبداللہؓ کی وفات پر ان کی شریک حیات سیدہ آمنہ نے جو مرثیہ کہا تھا وہ سیرت کی کتابوں میں درج ہے۔ اس میں وہ کہتی ہیں۔

ترجمہ: ”اگر اسے (سید عبداللہؓ کو) موت نے ہم سے چھین لیا تو کیا ہوا' اس کے آثار خیر پر تو موت وارد نہیں ہو سکی کیونکہ وہ انتہا کا سخی تھا اور اس کا دل غربا کی ہمدردی کے جذبے سے سرشار رہتا تھا۔“ (”طبقات کبیر“ جلد اول۔ ص ۱۰۰۔ ابن سعد)

کسی شخص کی اصل عظمت وہ ہوتی ہے جس کا اعتراف اس کے دشمنوں اور مخالفوں کو بھی ہو۔ اس نقطہ نگاہ سے جب ہم سید عبداللہؓ کے مرتبے کو دیکھتے ہیں تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے بہت بڑے انسان تھے جن کی ان کے دشمن بھی عزت کرتے تھے چنانچہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب حضور اقدسؐ نے مشرکین مکہ سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے' میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟ تو انہوں نے بے ساختہ جواب دیا کہ ہمیں آپ سے خیر کے سلوک کی توقع ہے کیونکہ آپ کریم النفس بھائی ہیں اور اس باپ (سید عبداللہؓ) کے فرزند ہیں جو خود بھی کریم النفس تھا۔ (تاریخ الرسل والملوک جلد ۲۔ ص ۱۲۰۔ امام طبری)--- یہ جواب وہ لوگ دے رہے ہیں جنہوں نے سید عبداللہؓ کی پچیس سالہ (دوسری روایت کے مطابق تیس سالہ) زندگی کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ سید عبداللہؓ کو ایک ایسا بھائی قرار دے رہے ہیں جو سراپا کرم تھا' جس کے کردار میں دشمنوں کے لئے بھی خیر اور بھلائی کا عنصر سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ کسی سے عداوت رکھنے اور اسے نقصان پہنچانے یا انتقام لینے کے جذبے سے اس کا دل پاک تھا۔

سید عبداللہؓ فطرتاً نہایت سعید واقع ہوئے تھے اور یہ سعادت فطری انہیں ان کے والد گرامی حضرت عبدالمطلبؓ سے ورثے میں ملی تھی۔ مورخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلبؓ کے چچا جناب مطلب جب اپنے بھتیجے حضرت عبدالمطلبؓ کو مکہ لانے کے لئے مدینہ گئے اور ان کی والدہ سے کہا کہ میرے بھتیجے کو میرے ساتھ بھیج دو تاکہ یہ اپنی قوم اور اپنے وطن میں رہے۔ ان کی طرف سے انکار پر جناب مطلب اپنے بھتیجے حضرت عبدالمطلبؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ چلو' بیٹے! میرے ساتھ چلو اور اپنے وطن میں رہو۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے چچا کا پوری طرح احترام برقرار رکھتے ہوئے عرض کیا کہ میں تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوں مگر والدہ مقدم ہیں' ان کی اجازت کے بغیر کیسے چلوں؟--- اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جناب عبدالمطلبؓ کی تربیت ان کی نیک فطرت والدہ نے کس انداز سے کی تھی۔ حضرت عبداللہؓ انہی حضرت عبدالمطلبؓ کے فرزند تھے اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ سعادتمند عبدالمطلبؓ کا اثر ان کے فرزند میں نہ آتا۔ چنانچہ ایک شہرہ آفاق مورخ لکھتا ہے کہ ایک روز سید عبداللہؓ اپنے والد حضرت عبدالمطلبؓ کے ساتھ جا رہے تھے کہ راہ میں قبیلہ بنو اسد کی ایک خوبرو دوشیزہ انہیں ملی اور سید عبداللہؓ کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے پوچھنے لگی کہ عبداللہؓ! کہاں جا رہے ہو؟ آپؓ نے جواب دیا کہ اپنے والد کے ساتھ جا رہا ہوں' یہ جہاں لے جائیں گے وہاں جاؤں گا۔ یہ سن کر خاتون نے کہا کہ تم قربانی کے اونٹ تو نہیں ہو کہ جو چاہے' مہار پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے۔ (”الروض الانف“ الجزالاول۔ ص ۱۷۸ مولفہ محدث ابی القاسم عبدالرحمٰن السہیلی“ والسیرۃ النبویہ للامام ابی الفدا اسماعیل بن کثیر۔ جلد اول۔ ص ۱۷۷ القاہرہ۔ ۱۹۶۴ء)--- سید عبداللہؓ نے جواب دیا کہ یہ کوئی عام آدمی

نہیں، میرے والد محترم ہیں۔ میں ان کے خلاف منشا کوئی کام نہیں کر سکتا اور نہ میری جرات ہے کہ کوئی ایسا کام کروں جس کے نتیجے میں یہ مجھے خود سے الگ کر دیں کیونکہ میں ان سے جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ یعنی مجھے اپنے باپ سے بہت محبت ہے اور ہر وقت ان کی اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ مجھ پر حاوی رہتا ہے۔ ("السیرۃ النبویہ" جلد اول ص۔۱۷۷ مولفہ ابن کثیر)

سید عبداللہؓ کی یہ وہی فطری سعادت تھی جو انہیں اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلبؓ سے ورثے میں ملی تھی۔ گویا یہ خاندان ہی سعادتوں کا گہوارہ اور نیک بختی کی پرورش گاہ تھا۔ دین ابراہیمی میں والدین کی اطاعت کا جو حکم ہے، سید عبداللہؓ اس کی زندہ تصویر تھے مگروہ صرف عبداللہ بن عبدالمطلبؓ نہ تھے بلکہ وہ نور نبوت کے امانت دار بھی تھے اور یہ امانت ہر عورت کے سپرد نہیں کی جاسکتی تھی، خواہ وہ کتنی ہی حسین و جمیل اور عالی نسب ہوتی۔ یہ امانت اسی کے سپرد کی جاسکتی تھی جو خدا کے نزدیک اس کی اہل تھی چنانچہ ایک روز یہ امانت دنیا کی سب سے عظیم خاتون سیدہ آمنہ کے سپرد کر کے وہ اس بار امانت سے سبکدوش ہو گئے۔

سید عبداللہؓ نے زیادہ عمر نہیں پائی۔ عین عنفوان شباب میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق سید عبداللہؓ اپنے والد کی ہدایت پر خشک کھجوروں کا سودا کرنے کی غرض سے یثرب (مدینہ) گئے ہوئے تھے، وہیں ان پر بیماری کا حملہ ہوا۔ جب حضرت عبدالمطلبؓ کو معلوم ہوا کہ سید عبداللہؓ بیمار ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو ان کی خیریت معلوم کرنے کی غرض سے یثرب بھیجا مگر جب حارث یثرب پہنچے تو سید عبداللہؓ فوت ہو چکے تھے اور انہیں ان کے ننھیال کے ایک گھر میں جہاں وہ مقیم تھے، دفن کر دیا گیا تھا۔ یہ گھر نابغہ نامی ایک عزیز کا تھا جو سید عبداللہؓ کے ننھیال سے تعلق رکھتے تھے۔

سید عبداللہؓ کے سفر علالت سے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنے والد کی ہدایت پر ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے تھے۔ جب قافلہ معاملات تجارت سے فارغ ہو کر واپس ہوا تو سید عبداللہؓ راستے میں بیمار ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر ان کی بیماری نے شدت اختیار کر لی اور وہ مزید سفر جاری نہ رکھ سکے، اپنی ننھیال میں ٹھہر گئے۔ یہاں آپؓ نے قریباً ایک ماہ قیام کیا۔ ننھیال والوں نے علاج معالجے اور تیمارداری میں کوئی کمی نہ کی مگر بیماری میں کوئی کمی نہ ہوئی اور وہ وفات پا گئے۔ جب یہ خبر مکہ پہنچی تو خاندان عبدالمطلبؓ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کی بہنوں نے بھائی کی وفات کا بہت غم کیا اور سب سے زیادہ غم ان کی شریک حیات سیدہ آمنہ کو ہوا مگر انہوں نے غیر معمولی صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ سید عبداللہؓ کا انتقال ۵۷۰ء میں ہوا۔

سیدہ آمنہؓ

مکہ میں ایک قبیلہ آباد تھا، نام تھا، بنو زہرہ۔ حضرت وہب بن عبد منافؓ اس قبیلے کے سردار تھے۔ یہ بہت نامی گرامی رئیس تھے۔ اپنی شرافت و نجابت کے اعتبار سے اس دور کی بہت ممتاز شخصیت تھے۔ چند واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب جناب کلابؓ سے جاملتا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جد اعلیٰ تھے اور جن کے فرزند جناب قصیؓ مکہ کے جلیل القدر حکمراں تھے۔ جناب قصیؓ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دور دور تک بکھرے ہوئے قریش کے بارہ قبائل کو مکہ میں جمع کیا اور عرب کی تاریخ میں سب سے پہلے ایک باقاعدہ جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا انتظام و انصرام سارے قبائل مل کر باہمی مشورے سے کیا کرتے تھے۔ جناب قصیؓ اس حکومت کے سربراہ اور سارے اہل مکہ کے محبوب فرماں روا تھے۔ اپنی شجاعت و سخاوت، اپنی شرافت نفس، بلندی کردار، عالی نسبی اور تدبر و فراست میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ جناب قصیؓ کے ایک بھائی تھے زہرہؓ۔۔۔ زہرہؓ کے بیٹے کا نام عبد منافؓ تھا۔ عبد منافؓ کے بیٹے وہبؓ تھے جو اپنے قبیلے کے نامور سردار تھے۔ سیدہ آمنہ انہی وہبؓ کی صاحبزادی تھیں۔ گویا سیدہ آمنہ کے جد امجد جناب زہرہؓ اور جناب قصیؓ دونوں ایک ہی باپ کلاب بن مرہؓ کے بیٹے تھے۔ انہی کلاب بن مرہؓ کی چھٹی پشت میں ہمارے آقا و مولا حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے۔ سیدہ آمنہؓ کی والدہ کا نام برہ بنت عبدالعزیٰ تھا۔

سیدہ آمنہؓ کے قبیلے بنو زہرہ کو بہت سے شرف اور امتیازات حاصل ہیں۔ پہلا اور سب سے بڑا امتیاز تو یہی ہے کہ اسی بزرگ قبیلے کی ایک محترم اور عظیم خاتون سیدہ آمنہ کو دنیا کی سب سے بڑی ہستی کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس قبیلے کی دوسری

خاتون اور سیدہ آمنہ کی چچازاد بہن جناب ھالہ بنت وھیب جن کی شادی حضرت عبد المطلب سے ہوئی تھی، وہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کی ماں بنیں۔ پھر اس قبیلے میں اور بھی بہت سی ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں جن میں نامور صحابہ، فقہا، محدثین، اور راویان حدیث گزرے ہیں۔ اس قبیلے میں ایسے ایسے سرفروشان اسلام پیدا ہوئے جنہوں نے حضور اقدس کی محبت میں عظمت اسلام کی خاطر جہاد کے معرکوں میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اس قبیلے میں ایسے زاہد اور حضور کے مطیع و فرماں بردار پیدا ہوئے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی راہ میں پہلی ہجرت کی جسے ہجرت حبشہ کہتے ہیں۔ اس قبیلے میں ایسے قانون داں پیدا ہوئے جنہیں ممالک اسلامیہ کے مختلف شہروں خصوصاً مدینہ میں جج کے منصب دیئے گئے۔ ایسے ایسے منتظم پیدا ہوئے جنہیں مختلف صوبوں کی گورنری اور ضلعی انتظامیہ کی ذمہ داریوں کا اہل سمجھا گیا اور بلاشبہ انہوں نے یہ ذمہ داریاں بطریق احسن پوری کیں۔ غرض قبیلہ بنو زھرہ کی خدمات جلیلہ اور اس کی شہرت و ناموری سے تاریخ کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔ اس قبیلے کے افراد کی نسلیں نہ صرف عرب بلکہ دور دراز کے ممالک میں پھیل گئیں اور انہوں نے ہر شعبہ حیات میں زریں کارنامے سرانجام دیئے۔ شہرہ آفاق مورخ و ماہر انساب علامہ ابن حزم نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب میں ایک طویل فہرست ان نمایاں شخصیات کی درج کی ہے جو قبیلہ بنو زھرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔
(جمہرۃ انساب العرب لابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی۔ الطبعتہ الثانیہ۔ دار المعارف. مصر۔ ص ۱۲۸ تا ۱۳۵۔ ۱۹۷۱ء)

سیدہ آمنہ کے قبیلے (بنو زھرہ) کو ایک بہت بڑا شرف ایسا بھی حاصل ہے جو اسے دینی اعتبار سے مکہ بھر کے سارے قبیلوں میں ممتاز کرتا ہے۔ چنانچہ ایک ممتاز مصنف نے اپنی کتاب میں اس شرف کا یوں ذکر کیا ہے۔

"قبیلہ بنو زھرہ کے کسی ایک فرد نے بھی غزوہ بدر میں حضور اقدس اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کا ساتھ نہیں دیا"
("الجوھر فی نسب النبی و اصحاب العشرہ۔" الجزالاول۔ ص ۴۱۶۔ الطبعتہ الاولی ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء۔ منشورات: دار الرفاعی الریاض)۔۔۔ اندازہ کیجئے جب سارا مکہ حضور اقدس اور مسلمانوں کے خون کا پیاسہ تھا اور یہ خیال کر کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا کہ جس ہستی (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کو قتل کر کے وہ اس کے مشن کو (نعوذ باللہ) نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے وہ ان کی گرفت سے نکل کر مدینہ پہنچ گیا اور وہاں کا سردار اعلیٰ بن گیا۔ انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی طاقت کو ابھی سے ختم نہ کیا گیا تو ایک دن وہ مکہ پر قابض ہو جائیں گے۔ چنانچہ مکہ کا ہر قبیلہ اس "خطرے" کے سدباب کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ ہر قبیلے کے ہر خاندان کا کم از کم ایک فرد ضرور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے خلاف جنگ (بدر) میں حصہ لے۔ گویا حضور اقدس اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرف مخالفت کا الاؤ شعلے مار رہا تھا۔ اس الاؤ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور مشرکین مکہ کا ساتھ نہ دینا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ سیدہ آمنہ کے قبیلے (بنو زھرہ) پر آفریں ہے کہ اس نے مشرکین مکہ کی قطعاً پروانہ کی اور قریش کی تمام تر کوششوں کے باوجود ان کے کسی ایک فرد نے بھی جنگ بدر میں قریش کا ساتھ نہیں دیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سیدہ آمنہ کی برکت تھی کہ آپ کا قبیلہ حضور اقدس اور مسلمانوں کی مخالفت اور انہیں ایذا پہنچانے سے محفوظ رہا۔

عجیب بات ہے کہ جس طرح سیدہ آمنہ کے قبیلے کو مکہ کے تمام قبائل پر ایک خاص فضیلت حاصل تھی اسی طرح جناب آمنہ کو مکہ کی تمام عورتوں بلکہ سارے عرب کی عورتوں پر فضیلت حاصل تھی۔ یہ محض ہمارا قیاس نہیں بلکہ زمانہ قدیم و جدید کے تمام مورخ، سیرت نگار اور محقق سیدہ آمنہ کی اخلاقی و نسبی فضیلت پر متفق ہیں چنانچہ مورخ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

"سیدہ آمنہ قریش کی عورتوں میں حسب و نسب اور فضیلت کے اعتبار سے سب میں ممتاز تھیں۔" (السیرۃ النبویہ۔ ص ۱۵۶۔ ابن ہشام)

رسول اقدس کے اولین اور نہایت مستند سیرت نگار علامہ ابن اسحاق لکھتے ہیں۔ "سیدہ آمنہ اپنے حسب نسب اور اپنے مرتبے کے لحاظ سے قریش میں افضل ترین خاتون تھیں۔" (سیرت ابن اسحاق مسماۃ بکتاب المبتدا و المبعث و المغازی مولفہ محمد بن اسحاق بن یسار۔ تحقیق و تعلیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ اردو ترجمہ)

علامہ محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی اور ان کے شارح علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔ "سیدہ آمنہ اپنے نسب کے اعتبار سے

باپ کی طرف سے اور حسب کے اعتبار سے ماں کی طرف سے قریش کی تمام عورتوں پر فائق تھیں۔" ("شرح مواہب الدنیہ" از امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی۔ الجز الاول۔ ص ۱۰۳۔ الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الازہریہ المصریہ۔ مطبوعہ ۱۳۲۵ھ)
آگے چل کر یہی فاضل سیرت نگار ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ "حضرت آمنہ بہت عقیل و فہیم، نسب کے اعتبار سے اپنی قوم میں سب سے افضل اور نجیب تر تھیں اور راصل کے اعتبار سے ساری قوم میں پاکیزہ سیرت اور طیب تھیں۔"
امام المفسرین حضرت علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کا بیان ہے۔ "حضرت آمنہؑ اپنے قبیلے میں سیرت النساء (یا سیدۃ النسا) کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔" ("البدایہ والنہایہ" جلد دوم ص ۲۴۹۔ علامہ ابن کثیرؒ)
عربی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف الاسلامیہ) میں پوری تلاش و تحقیق کے بعد سیدہ آمنہؑ کی فضیلت پر یہ جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت آمنہؑ قریش میں اپنے حسب نسب کے اعتبار سے افضل ترین خاتون تھیں۔" ("دائرۃ المعارف الاسلامیہ" جلد ۲۔ ص ۶۳۔ طہران۔ انتشارات جہاں)
شہرہ آفاق مورخ و مفسر ابن جریر طبریؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ "وھبؒ نے جو ان دنوں اپنی عمر اور شرف و فضیلت دونوں کے اعتبار سے قبیلہ بنو زہرہ (میں ممتاز اور اس) کے سردار تھے اپنی دختر (جناب) آمنہؑ کا نکاح (جناب) عبد اللہ سے کر دیا۔ سیدہ آمنہؑ اپنے زمانے کی قریشی عورتوں میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت تھیں۔" (تاریخ الرسل والملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری۔ الجز الثانی۔ ص ۲۴۳۔ دائرۃ المعارف۔ مصر ۱۹۶۱)
عالم اسلام کا نامور مورخ اور شہرہ آفاق کتاب "اخبار مکہ" کا فاضل مصنف سیدہ آمنہؑ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ "سیدہ آمنہؑ بنت وھبؒ اپنی قوم کے بزرگ اور شریف ترین لوگوں میں سے شریف ترین خاتون تھیں۔" ("اخبار مکہ" تالیف ابی الولید محمد بن عبد اللہ بن احمد الازوتی۔ تحقیق رشدی الصالح۔ الجز الاول۔ ص ۱۵۳۔ دار الاندلس)
زمانہ حال کی طرف آیئے۔ دانش گاہ پنجاب لاہور کی طرف سے جو انسائیکلوپیڈیا شائع ہوئی ہے اور جسے علما و مورخین کے ایک بورڈ نے مرتب کیا ہے اس میں سیدہ آمنہؑ کے بارے میں فاضل محققین نے یوں اظہار خیال کیا ہے۔ "سیدہ آمنہؑ (نہایت) نیک اور پاکباز خاتون تھیں۔ طہارت نفس، شرافت نسب، عز و جاہت، عفت و عصمت اور پاکبازی میں بے مثال تھیں اور اپنی قوم میں "سیدۃ النسا" کے لقب سے مشہور تھیں۔ وہ صبر و رضا اور ہمت و استقامت کا پیکر تھیں (شوہر کی وفات کے بعد) راضی برضائے الٰہی ہو کر صبر و رضا کی مثال بن گئیں۔" ("اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ" جلد ۱۹۔ ص ۱۰، ۱۱۔ دانش گاہ پنجاب لاہور۔ ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء)
سیدہ آمنہؑ کا قبیلہ بنو زہرہ قریش کے دوسرے قبائل کے مقابلے میں بنو ہاشم کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ دونوں کے جد امجد ایک ہی تھے یعنی کلاب ابن مرہ۔۔۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی بتایا جا چکا ہے کہ کلاب کے بیٹے قصیؒ اور زہرہؒ دونوں آپس میں حقیقی بھائی تھے۔ دونوں میں زمانہ قدیم سے محبت و مودت کے تعلقات قائم تھے۔ دونوں خاندانوں کے بچے مکہ کی وادیوں اور پہاڑوں میں کھیلتے اور صحن حرم میں بھی آ بیٹھتے۔ علاوہ ازیں مختلف تقریبات میں بھی دونوں خاندانوں کے بچے اپنے والدین کے ساتھ ایک دوسرے کے گھروں میں جاتے کیونکہ جناب عبد المطلبؒ بنو ہاشم کے سردار تھے اور سیدہ آمنہؑ کے والد جناب وھبؒ بنو زہرہ کے سردار تھے، دونوں میں ملاقاتیں رہتی تھیں اور قریش کو جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو یہ دونوں مشورے کے لئے اکٹھے ہوتے۔ دونوں قبیلوں کے درمیان تجارتی تعلقات بھی تھے۔ اس طرح جناب عبد اللہؒ بن عبد المطلبؒ اور سیدہ آمنہؑ بنت وھبؒ ایک دوسرے کے لئے غیر معروف نہیں تھے اور بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے، ساتھ کھیلتے رہے تھے۔ ("سیدات بیت النبوۃ۔" مولفہ ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمن بنت الشاطی۔ پروفیسر قرآنیات مراکش یونیورسٹی مطبوعہ قاہرہ۔ طبع اول۔ ص ۹۰)
دونوں خاندانوں کے اس دیرینہ تعلق نے سیدہ آمنہؑ اور جناب عبد اللہؒ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کی راہ مزید ہموار کر دی اور جب حضرت عبد المطلبؒ نے جناب عبد اللہؒ کا رشتہ جناب وھبؒ کی خوش خصال بیٹی سیدہ آمنہ کے لئے پیش کیا تو انہوں نے بلا تامل قبول کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق ان دنوں سیدہ آمنہؑ اپنے چچا جناب وھیبؒ کی زیر پرورش تھیں اور وہی ان کی تربیت فرما رہے تھے۔ یہ وھیبؒ بھی اپنے بھائی وھبؒ کی طرح نہایت شریف النفس اور اعلیٰ کردار کے حامل سردار تھے اور

اپنے قبیلے میں بہت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔
حضرت آمنہ ؓ کی عمر بیس سال کے قریب تھی جب ان کی شادی حضرت عبداللہ ؓ سے ہوئی۔ قبیلے کے دستور کے مطابق حضرت عبداللہ ؓ نے تین دن سسرال میں گزارے اور کاشانہ آمنہ ؓ کو زینت دی، پھر یہ نوبیاہتا جوڑا مکہ کے محلّہ "زقاق المولد" کے ایک مکان میں جا اترا۔ (علامہ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب "مختصر سیرۃ رسول" میں اس محلے کا نام "زقاق المولد" لکھا ہے اور اس کا محل وقوع "شعب بنی ہاشم" قرار دیا ہے۔ ص ۹، ۱۰) یہ مکان حضرت عبدالمطلب ؓ کی ملکیت تھا جو انہوں نے جناب عبداللہ ؓ کو عطا کر دیا تھا۔
افسوس کہ سیدہ آمنہ ؓ شادی کے بعد جلد ہی اپنے خوش جمال و خوش خصال شوہر کی رفاقت سے محروم ہو گئیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد آپ ؓ قریباً چھ سال زندہ رہیں۔ بیوگی کا یہ زمانہ سیدہ آمنہ ؓ نے بہت ہی صبر و استقلال سے گزارا۔ اگرچہ جناب آمنہ ؓ اپنے شریف و نجیب اور انتہائی محبت کرنے والے شوہر کی رفاقت سے محروم ہو گئی تھیں مگر انہیں ایک گوہر نایاب بھی مل گیا تھا، یہی ان کا سب سے بڑا سرمایہ حیات تھا اور اسی تعلق خاطر نے انہیں دنیا کی سب سے عظیم خاتون اور سب سے عظیم ماں بنا دیا۔
حضرت عبداللہ ؓ کی وفات پر قریباً سات ماہ کے مدت گزری ہو گی کہ جناب سیدہ آمنہ ؓ نے اس فرزند گرامی کو جنم دیا جس کی ذات سے دنیا کا سب سے عظیم روحانی، اخلاقی، معاشی اور سیاسی و سماجی انقلاب وابستہ تھا اور جس کی ذات گرامی سے وہ چشمہ فیض جاری ہونے والا تھا جس کے لئے بند ہونا مقدر ہی نہیں کیا گیا تھا۔ جس کا نام نامی و اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تھا۔
حضور ؐ اقدس ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ سیدہ آمنہ ؓ پر اسرار روحانی منکشف ہونے لگے۔ انہیں کشوف و رویاء اور الہامات سے نوازا جانے لگا اور ان پر ملائکہ کا نزول شروع ہو گیا۔ انہیں ایک ایسے فرزند کی بشارت دی گئی اور اس کے بارے میں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ وہ دنیا کا سردار ہو گا اور بنی نوع انسان کو بتوں کی غلامی سے نجات دے گا اور جو نبی و رسول ہو گا چنانچہ آپ ؓ خود فرماتی ہیں۔
"میں ایسی حالت میں تھی کہ نہ تو سو رہی تھی اور نہ پوری طرح جاگ رہی تھی کہ ایک آنے والا (فرشتہ) میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم حاملہ ہو گئی ہو؟ --- میں نے جواب دیا کہ مجھے علم نہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ تم نے ایسے شخص کو حمل میں لیا ہے جو امت کا سردار اور نبی ہو گا --- یہ دوشنبہ کا دن تھا۔ اس کے بعد کچھ مدت خاموشی رہی لیکن جب ولادت کا وقت قریب آیا تو پھر وہی آنے والا (فرشتہ) آیا اور مجھ سے کہا کہ یہ دعا مانگتی رہو کہ میں (اپنے) اللہ سے جو واحد اور صمد ہے، اس بچے کے لئے پناہ چاہتی ہوں کہ وہ اسے ہر حاسد کے شر سے محفوظ رکھے۔
سید آمنہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں اسی طرح دعا مانگا کرتی تھی۔ (طبقات الکبیر جلد اول۔ ص ۹۸۔ محمد ابن سعد)
سیدہ آمنہ ؓ نے اپنے فرزند گرامی کی ولادت کے بارے میں جو کچھ دیکھا، وہ عام خواب نہیں تھا جیسا کہ بعض عورتیں دیکھ لیا کرتی ہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے خاص بشارت تھی جو انبیاء کی ولادت سے قبل امہات انبیاء کو دی جاتی ہے چنانچہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اس کی تصدیق کی ہے۔ حضور ؐ فرماتے ہیں۔
"میں (حضرت) ابراہیم ؑ کی دعا ہوں۔ (حضرت) عیسیٰ ؑ ابن مریم کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا وہ "رویا" ہوں جو انہوں نے (ظاہری آنکھ سے) دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس میں انہیں شام کے محلات نظر آئے اور انبیاء کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے۔" (مسند لامام احمد بن حنبل۔ الجلد الرابع۔ ص ۱۲۸۔ المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر۔ بیروت)
حضور ؐ کے اس ارشاد میں رویا کے ساتھ "رات" کا لفظ بھی ہے یعنی میری ماں نے دیکھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ آمنہ ؓ نے یہ منظر سوتے میں نہیں دیکھا بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھا کیونکہ اسی روایت کا دوسرا حصہ اس طرح ہے کہ انبیاء کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے --- یہ حضور ؐ اقدس فرما رہے ہیں۔ اب دیکھئے کہ اس سے قبل انبیاء کی ماؤں کو کس طرح دکھایا گیا --- قرآن کریم نے حضرت اسحاق ؑ، حضرت یحییٰ ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ کی ماؤں کا ذکر کیا ہے جنہیں ان کے ہونے والے بیٹوں کی بشارت دی گئی مگر ان میں سے کسی کو بھی خواب کے ذریعے یہ بشارت نہیں دی گئی بلکہ عین بیداری کے عالم میں دی گئی۔ پس حضور ؐ کا یہ فرمانا کہ نبیوں کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے، ثابت کرتا ہے کہ سیدہ آمنہ ؓ کو بھی یہ منظر سوتے میں نہیں بلکہ بیداری

کی حالت میں دکھایا گیا اور روایات میں جہاں جہاں رویا کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد کشف ہے اور کشف سوتے میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں دکھایا جاتا ہے۔ اس کی تائید خود سیدہ آمنہؓ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جب (حضورؐ کی) ولادت کا وقت آیا تو پھر وہی آنے والا آیا اور مجھ سے کہا کہ یہ دعا مانگتی رہو --- ظاہر ہے کہ یہ آنے والا اور دعا کے لئے کہنے والا سوائے فرشتے کے اور کون ہو سکتا تھا؟

رسول اقدسؐ کے سب سے پہلے اور سب سے مستند سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ جب حضورؐ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو سیدہ آمنہؓ کو رویا میں بتایا گیا کہ تم ان اشعار کا ورد کرتی رہو۔

ترجمہ: "میں اسے (حضورؐ کو) اس کی پناہ میں دیتی ہوں جو واحد و یگانہ ہے کہ وہ اس کی ہر حاسد کے شر سے حفاظت فرمائے، اس حاسد کے شر سے (حفاظت فرمائے) جو ہر اس شخص سے حسد کرتا ہے، جس کی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے اور لوگوں سے بھلائی کرنے میں دوسروں سے آگے نکل جائے۔ اس دنیا میں اس (حضورؐ) کا نزول اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بندہ ہے اس اللہ کا جس کی تعریف کی کوئی حد نہیں اور جو بہت بڑی شان والا ہے۔ وہ (رسول اقدسؐ) آئے (یعنی دنیا میں اس کا ظہور ہو) یہاں تک کہ میں اسے ان مقامات میں دیکھوں جہاں لوگوں کے اجتماعات ہوتے ہیں۔" (یہ دعائیہ اشعار علامہ القسطلانیؒ نے اپنی کتاب "مواھب الدنیہ" میں بھی درج کئے ہیں۔ ص ۲۰)

جب حضورؐ کی ولادت کا وقت آگیا تو عین اس وقت آپؓ پر ایک کشفی حالت طاری ہوئی، اس عالم میں آپؓ نے جو کچھ دیکھا وہ خود بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتی ہیں۔

"میں اپنے مکان میں تنہا تھی اور عبدالمطلبؓ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ میں نے ایک خوفناک دھماکے کی آواز سنی جیسے کوئی بہت بڑی دیوار گری ہو۔ یہ آواز سن کر میں ڈر گئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سفید رنگ کا ایک پرندہ اترا اور اس نے اپنے بازو سے میرے دل کے مقام کو مس کیا، اس کے بعد میرا خوف دور ہو گیا اور میرا درد بھی جاتا رہا۔ پھر میں نے ایک برتن میں سفید رنگ کا مشروب دیکھا، میں نے برتن اٹھا کر یہ مشروب پی لیا۔ اس کے بعد میں نے ایک نور کو اپنے قریب آتے دیکھا جو بہت بلند تھا۔ پھر میں نے کھجور کے درخت کی طرح دراز قد عورتیں دیکھیں، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عبد مناف کی بیٹیوں میں سے ہوں۔ یہ عورتیں میرے چاروں طرف جمع ہو گئیں۔ ان عورتوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ انہیں میرا حال کیونکر معلوم ہو گیا۔"

ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدہ آمنہؓ فرماتی ہیں۔

"ان عورتوں میں سے بعض نے بتایا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہؓ اور عمران کی بیٹی مریمؑ ہیں اور ہمارے ساتھ جو عورتیں ہیں یہ (جنت کی) حوریں ہیں۔ سیدہ آمنہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے ساتھ ہی وہ خوفناک آواز پھر آنے لگی جو ابتداء میں آئی تھی اور مجھ پر پھر تکلیف کا وقت آگیا۔ اسی دوران میں نے سفید رنگ کا ایک ریشمی کپڑا دیکھا۔ پھر اچانک میں نے ایک آواز سنی جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ جس وقت یہ (حضورؐ) پیدا ہوں تو تم انہیں لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لو۔"

سیدہ آمنہؓ فرماتی ہیں کہ (پھر) میں نے کچھ مردوں (ملائکہ) کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں پانی کی نقرئی چھاگلیں تھیں اور وہ ہوا میں کھڑے ہوئے تھے --- سیدہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد کیا دیکھتی ہوں کہ پرندوں کا ایک غول آیا اور وہ اتنا قریب آگیا کہ انہوں نے میرے مکان کو ڈھانپ لیا۔ ان پرندوں کی چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے پردے اٹھا دیئے، زمین کا مشرق اور مغرب میرے سامنے آگئے۔ میں نے دیکھا کہ تین جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ ایک جھنڈا جانب مشرق، دوسرا جانب مغرب اور تیسرا کعبہ مکرم کی پشت پر نصب تھا۔ سیدہ آمنہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد مجھے وہ درد شروع ہو گیا جو بچے کی ولادت کے وقت ہوتا ہے اور پھر حضور اقدسؐ دنیا میں تشریف لے آئے۔ اس کے بعد پھر آپؓ پر کشفی حالت طاری ہو گئی۔ فرماتی ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ (حضورؐ) سجدے میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی دونوں انگشت ہائے شہادت کو آسمان کی طرف عاجزی سے اٹھایا ہوا ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سفید رنگ کا ابر آسمان سے آیا اور اس نے حضور اقدسؐ کو چھپا لیا اور آپؐ مجھ سے غائب ہو گئے۔ پھر میں نے ایک آواز سنی، کوئی کہہ رہا تھا کہ اس (رسول اقدسؐ) کو زمین کے شرقی اور غربی

اطراف کاطواف کراؤ۔ اس کے بعد وہ سفید ابر آپ پر سے ہٹ گیا۔

جناب خطیب بغدادیؒ نے اس حدیث کی روایت اپنی سند کے ساتھ اس طرح کی ہے کہ سیدہ آمنہؓ نے فرمایا کہ جب میں نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کو اپنے بطن مبارک سے جدا کیا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک زبردست ابر چھا گیا جس میں سے نور پھوٹ رہا تھا۔ اس ابر میں سے کبھی گھوڑوں کے ہنہنانے اور کبھی پرندوں کے پروں کی حرکت کی آوازیں آتی تھیں اور کبھی میں ایسے فرشتوں کے کلام کرنے کی آوازیں سنتی تھی جن کی صورتیں مردوں کی سی تھیں حتیٰ کہ اس ابر نے آپ کو چھپا لیا اور آپ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اتنے میں مجھے ایک آواز آئی، کوئی شخص کہہ رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کو ساری دنیا کا طواف کراؤ اور ہر ایک ذی روح کے سامنے اسے لے جاؤ یعنی انسان، حیوان اور جن اور ملائکہ سب کے روبرو کرو۔ پھر آواز دینے والے یعنی فرشتے نے کہا کہ حضرت آدمؑ کے اخلاق، حضرت شیثؑ کی معرفت، حضرت نوحؑ کی شجاعت، حضرت ابراہیمؑ کی خلیلی، حضرت اسماعیلؑ کی زبان، حضرت اسحاقؑ کی رضا، حضرت صالحؑ کی فصاحت بیان، حضرت لوطؑ کی حکمت، حضرت یعقوبؑ کی بشارت، حضرت موسیٰؑ کی قوت، حضرت ایوبؑ کا صبر، حضرت یونسؑ کی فرماں برداری، حضرت یوشعؑ بن نون کا جذبہ جہاد، حضرت داؤدؑ کا لحن، حضرت دانیالؑ کی محبت، حضرت الیاسؑ کا وقار، حضرت یحییٰؑ کی عصمت اور حضرت عیسیٰؑ کا زہد اس (حضور اقدس) میں یک جا کر دو۔ ("مواھب الدینہ۔" ص ۲۱۔ مولفہ علامہ القسطلانیؒ و خصائص الکبریٰ، ص ۴۷۔ مولفہ امام جلال الدین سیوطیؒ)

سیدہ آمنہؓ نے حضورؐ اقدس کی ولادت کے وقت جو کشف دیکھا تھا، دراصل اس کشف کے ذریعے سیدہؓ کو بشارت دی گئی تھی کہ ان کے بطن مبارک سے جو فرزند پیدا ہو رہا ہے وہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے بلکہ یہ وہ بزرگ ترین ہستی ہے جو ساری دنیا کو نور سے بھر دے گی، جس کا وجود نورانی بھی ہے اور نور تقسیم کرنے والا بھی ہے، جس سے مشرق و مغرب میں آباد قومیں برکت پائیں گی، جو انسانوں اور حیوانوں سب کے لئے رحمت و شفقت کا پیکر بن کر ظاہر ہو گا جس میں سارے انبیاء کے کمالات جمع کر دیئے جائیں گے۔ جس پر بڑے بڑے مصائب کے طوفان امنڈ امنڈ کر آئیں گے مگر اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے ذریعے اس کی تائید فرمائے گا اور مصیبت کا ہر طوفان پارہ ابر کی طرح اڑ جائے گا اور آخر کار اسی کی عظمت و کامرانی کا سورج ضو فگن ہو گا۔ وہ غلاموں کا دستگیر ہو گا، جبر کے پتھروں تلے سسکتی ہوئی صنف نازک کو آزادی اور عزت کے مرتبے پر فائز کرے گا، غلاموں کو حروں (آزادوں) کا آقا بنا دے گا۔ انسانیت کو سربلند کرے گا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا اور سیدہ آمنہؓ کا یہ کشف لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔ سرور کائنات، فخر موجودات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم انسانیت کے نجات دہندہ کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ آپؐ کی مقدس تعلیم، آپؐ کے اوصاف حمیدہ اور آپؐ کے پاکیزہ تر کردار نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ساری دنیا میں ایک ایسا روحانی، اخلاقی، معاشی اور سماجی و سیاسی انقلاب برپا کر دیا کہ جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی تھی اور نہ آئندہ کبھی دیکھ سکے گی۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ حضورؐ اقدس کا اسم مبارک (محمدؐ) جناب عبدالمطلبؒ نے تجویز کیا تھا مگر یہ درست نہیں۔ انہوں نے اس نام کا اعلان ضرور کیا تھا مگر تجویز نہیں کیا تھا۔ چنانچہ سیدہ آمنہؓ خود فرماتی ہیں۔

"مجھے کسی (فرشتے) کی آواز آئی کہ تم ایسے شخص کی امانت دار بنی ہو جو (اپنی) امت کا سید (سردار) ہو گا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہو گا تو اس کے ساتھ ایسا نور نکلے گا جس سے شام میں بصریٰ کے محل روشن ہو جائیں گے۔ جس وقت یہ بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) رکھنا۔" (خصائص الکبریٰ۔ ص ۴۶۔ علامہ جلال الدین سیوطی و سیرت ابن اسحاق)

گویا سیدہ آمنہؓ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے صرف بیٹے کی بشارت ہی نہیں دی گئی بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہ بیٹا بڑی شان والا ہو گا، خدا کا نبی و رسول ہو گا، سردار امت ہو گا، شام اور اس کے مضافات بھی اس کے قبضہ اقتدار میں ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بیٹے کا نام بھی تجویز کر دیا گیا اور سیدہ آمنہؓ کو بتا دیا گیا کہ اس فرزند سعید و کبیر کا نام محمدؐ رکھنا۔ گویا حضور کا نام اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا تھا جس طرح حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور ان سے پہلے حضرت یعقوب کے نام (اسرائیل) اللہ تعالیٰ ہی نے تجویز فرمائے تھے۔ پس سیدہ آمنہؓ نے جناب عبدالمطلبؒ کو اس نام کی اطلاع دی تھی اور انہوں نے خانہ کعبہ میں اس نام کا اعلان کیا

تھا۔ شرفائے قریش کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو پیدا ہونے کے بعد جتنی جلد ممکن ہوتا تھا' ان بدوی قبائل میں بھیج دیتے تھے جو صحراؤں میں آباد تھے تاکہ کھلی اور صحت بخش فضا میں بچوں کی اچھی طرح نشو و نما ہو سکے اور فصاحت زبان اور عربوں کی وہ خصوصیات ان میں پیدا ہو سکیں جو بدوی قبائل سے خاص تھیں کیونکہ شہروں میں مختلف اقوام کے لوگوں کی آمد و رفت رہنے کی وجہ سے وہاں کے باشندوں کی زبان بھی متاثر ہوتی تھی اور عادات و اطوار بھی مگر بدوی لوگ چونکہ شہروں سے دور اور شہری آبادی سے الگ تھلگ رہتے تھے اس لئے ان میں عربوں کی مخصوص فصاحت و بلاغت' صحت زبان اور عرب روایات پوری طرح محفوظ اور اپنی اصل حالت میں موجود رہتی تھیں۔ اس مقصد کے لئے بدوی عورتیں جو اپنے حسب نسب کے اعتبار سے نہایت شریف ہوتی تھیں' شہروں میں آتیں اور نوزائیدہ بچوں کو اپنے ہمراہ لے جاتی تھیں' انہیں دودھ پلاتیں اور ان کی پرورش کرتی تھیں۔ اس طرح انہیں اس خدمت کا معقول معاوضہ مل جاتا تھا۔

جس سال حضور اقدسؐ پیدا ہوئے اس سال بھی معمول کے مطابق صحرائی قبائل کی دس شریف عورتیں مکہ آئیں اور نوزائیدہ بچوں کو اپنے ہمراہ لے گئیں۔ ان میں سے ایک محترم خاتون حلیمہؓ تھیں جو قبیلہ بنو سعد بن بکر سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بڑا ہی معزز اور بہادر قبیلہ تھا اور خود حلیمہؓ نہایت نجیب الطرفین اور شریف خاتون تھیں۔ انہیں حضور اقدسؐ کو اپنے ساتھ لے جانے' آپؐ کو دودھ پلانے اور آپؐ کی پرورش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ روایات کے مطابق سیدہ آمنہؓ نے حضورؐ کو ایک ماہ دودھ پلایا تھا کہ حلیمہؓ آگئیں اور حضور اقدسؐ کو اپنی گود میں لے لیا۔ (ایک روایت کے مطابق ابولہب کی آزاد کردہ کنیز جناب ثوبیہؓ کو بھی چند روز حضورؐ کو دودھ پلانے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔) جب حضرت حلیمہؓ آپؐ کو لے کر جانے لگیں تو سیدہ آمنہؓ نے حلیمہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے دایہ ! اس بچے کی طرف سے مطمئن رہو کہ اس کی بڑی شان ہوگی---جب حلیمہؓ حضورؐ کو لے کر جانے لگیں تو سیدہ آمنہؓ نے آپؐ کے لئے ان الفاظ میں دعا کی۔

ترجمہ: "میں اپنے بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں' اس شر سے جو پہاڑوں میں پلتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اونٹ پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں اور درماندہ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کرنے والا ہے۔" (رحمتہ اللعالمین جلد دوم۔ ص ۱۰۳ مولفہ سید سلمان منصور پوری۔)

حضور اقدسؐ' سیدہ آمنہؓ سے دور دو سال تک صحرا کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے۔ دو سال گزر جانے کے بعد حلیمہؓ سعدیہ آپؐ کو واپس لے آئیں مگر ایک روایت کے مطابق ان دنوں مکہ میں کوئی وبا پھیلی ہوئی تھی اس لئے سیدہ آمنہؓ نے حضورؐ کو پھر حلیمہؓ سعدیہ کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ دو سال آپؐ پھر صحرا میں رہے اور جب حضورؐ کی عمر چار سال کی ہو گئی تو حلیمہ سعدیہؓ حضرت آمنہؓ کی امانت آپؐ کے سپرد کر گئیں۔ اس کے بعد حضورؐ اپنی والدہ ماجدہ کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ حضورؐ کی عمر عمر مبارک چھ سال تین ماہ کی ہو گئی۔ اسی اثنا میں سیدہ آمنہ کو سفر یثرب (مدینہ) پیش آیا۔ آپؐ ہر سال اپنے شوہر حضرت عبداللہؓ کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں چنانچہ اسی معمول کے مطابق آپؐ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئیں۔ اس وقت آپؐ پوری طرح صحتمند تھیں۔ تجارتی قافلے کے ساتھ یہ ایک اور مختصر سا قافلہ "الحادی" نامی رہبر کی

رہنمائی میں روانہ ہوا۔ یہ قافلہ دو اونٹوں ایک رہبر، سیدہ آمنہؓ حضور انورؐ اور خادمہ حضرت ام ایمنؓ پر مشتمل تھا۔ مدینہ پہنچ کر سیدہ آمنہ اس مکان میں اتر گئیں جو حضرت عبداللہؓ کے ننھیال (حضرت عبداللہؓ کے دادا جناب ہاشمؓ کی بیوی سلمٰی بنت عمرو مدینہ کی رہنے والی تھیں) کا مکان تھا اور جس میں حضرت عبداللہؓ کی قبر تھی۔ سیدہ آمنہ یہاں قریباً ایک ماہ مقیم رہیں اور پھر حضورؐ اقدس اور خادمہ ام ایمنؓ کو ساتھ لے کر واپس مکہ روانہ ہو گئیں۔ ابھی قافلہ مدینہ اور مکہ کے درمیان ہی میں تھا کہ اچانک بیمار ہو گئیں۔ کمزوری روز بروز بڑھتی گئی حتیٰ کہ درد سر نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپؓ کے سر کو "صوف" نامی کپڑے سے باندھنا پڑا۔ بخار سخت تھا اور اتنا سخت کہ کچھ دیر کے لئے غشی طاری ہو گئی۔ چونکہ آخری وقت آچکا تھا اس لئے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی اور چند روز بیمار رہ کر دنیا کی یہ سب سے عظیم خاتون جس نے دنیا کی سب سے بڑی ہستی کو جنم لیا تھا، اپنے رب کے پاس چلی گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک روایات کے مطابق آپؓ نے ۲۵ سال کے قریب عمر پائی۔ آپؓ کی وفات جولائی ۵۷۶ء میں ہوئی۔ بعض روایتوں میں عمر تیس سال بھی بیان کی گئی ہے۔

سیدہ آمنہؓ نے جس مقام پر وفات پائی اس کا نام "الابوا" ہے اور اسے تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ شہرہ آفاق مورخ یاقوت حموی نے "ابوا" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی زمانے میں اس مقام پر کوئی وبائی مرض پھیلا تھا اس لئے اس شہر کا نام "ابوا" مشہور ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق مشہور عرب شاعر "کثیر" سے جب ابوا کی وجہ تسمیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ چونکہ یہاں قافلے پڑاؤ کیا کرتے تھے اس لئے اس کا نام ابوا پڑ گیا کیونکہ "بوا" کے معنی ٹھہرنے اور قیام کرنے کے ہیں۔ یاقوت حموی اس مقام کا تعین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مقام مدینہ سے مکہ کو جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے اور "جحفہ" سے اس کا فاصلہ ۲۳ میل ہے یہ ایک خشک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ ("معجم البلدان" جلد اول۔ ص ۹۷۔ مولفہ یاقوت حموی ایڈیشن ۱۹۵۵ء بیروت دار صادر)

ہمارے عہد کے ایک مصنف نے "ابوا" اور اس کے مضافات کا خود دورہ کر کے جو کوائف درج کئے ہیں ان کے مطابق "ابوا" کا علاقہ ۱۲ کلومیٹر طویل اور ۳ کلومیٹر عریض ہے۔ بعض جگہوں سے کشادہ اور بعض جگہوں سے تنگ ہے۔ شمال کی جانب سے اسے پہاڑ نے گھیر رکھا ہے اور جنوب کی سمت سیاہ ٹیلے اسے گھیرے ہوئے ہیں جن کی لمبائی قریباً پانچ سو میٹر ہے۔ اس کے اوپر ایک بہت بڑا حوض ہے (غالباً تالاب مراد ہے) جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ زراعت اور باغبانی کے لئے اگر بارش کا پانی کافی نہ ہو تو پھر ٹیوب ویل کے ذریعے آب پاشی کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ۱۵۰ ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں۔ ابوا میں کھجور، باجرہ، جوار، ٹماٹر، بینگن، میٹھا کدو، تربوز اور خربوزے وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ گائیں، بکریاں اور مرغیاں بکثرت ہیں۔ لوگ باز کے ذریعے پرندوں کا شکار کرتے ہیں۔ "ابوا" کی آبادی پانچ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ لوگوں کی گزر اوقات کھیتی باڑی اور مویشی پالنے پر ہے۔

ابوا میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ کی طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سیدہ آمنہؓ کی قبر ہے جو دور سے نظر آجاتی ہے کیونکہ اس کے چاروں طرف ایک میٹر یعنی قریباً تین فٹ بلند پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ پہاڑ کے اوپر اور نیچے اس کے قرب و جوار میں کوئی دوسری قبر نہیں ہے۔ (تاریخ مکتہ المکرمہ جلد اول۔ ص ۲۱۸، ۲۱۹)